© rasailojaraid.com

واقدی

احوال اور علمی آثار

ڈاکٹر ظفر احمد صدیقی

واقدی کا نام محمد بن عمر بن واقد اور کنیت ابو عبداللہ ہے۔ حافظ شمس الدین ذہبی (ف ۷۴۸ھ) نے "العبر فی خبر من غبر"[۱] اور مسعودی (ف ۳۴۶ھ) نے "مروج الذہب"[۲] میں محمد بن عمرو نام تحریر کیا ہے۔ لیکن یہ تمام تذکرہ نویسوں اور خود ذہبی کے دوسرے بیانات[۳] کے خلاف ہے۔ ابو محمد عبدالرحمٰن بن ابی حاتم الرازی (ف ۳۲۷ھ) نے "کتاب الجرح والتعدیل" میں واقدی کے دادا کا نام 'محمد' بتایا ہے[۴] لیکن کسی دوسرے ذریعے سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ خود واقدی نے "کتاب المغازی" میں ایک سے زائد مقامات پر اپنے آپ کو 'ابن واقد' کہہ کر متعارف کرایا ہے[۵]۔ اس کے علاوہ سمعانی[۶] (ف ۵۶۲ھ) اور ابن خلکان[۷] (ف ۶۸۱ھ) نے تصریح کی ہے کہ واقدی اپنے دادا 'واقد' کی جانب انتساب کی بنا پر ہی واقدی کہے جاتے ہیں۔ ابوالفرج اصفہانی (ف ۳۵۶ھ) نے ابن خرداذبہ (ف ۲۸۰ھ) کے حوالے سے لکھا ہے کہ واقدی کی ماں مشہور عجمی النسل مُغنّی سائب خاثر کی پڑپوتی تھیں۔ واقدی کے نانا کا نام عیسیٰ بن جعفر بن سائب خاثر تھا[۸]۔

واقدی کے نام کے ساتھ مدنی، سہمی اور اسلمی کی نسبتیں استعمال کی جاتی ہیں۔ ان میں سے پہلی نسبت کا تعلق وطن سے ہے۔ چونکہ واقدی کا مولد و منشا مدینہ منورہ ہے، اس لیے انھیں مدنی کہتے ہیں۔ بعد کی نسبتیں 'ولاء' سے تعلق رکھتی ہیں۔ چونکہ واقدی کے دادا قبیلۂ اسلم کی شاخ بنو سہم کے آزاد کردہ غلام تھے۔ اس لیے انھیں کبھی سہمی اور کبھی اسلمی کہتے ہیں۔ خطیب بغدادی (ف ۴۶۳ھ) نے تاریخ بغداد میں ابن سعد (ف ۲۳۰ھ) کے حوالے سے واقدی کے جدِ امجد واقد کے سرپرست مولیٰ کا نام عبداللہ بن بریدہ الاسلمی تحریر کیا ہے[۹]۔

ابن خلکان نے "وفیات الاعیان"[۱۰] اور مسعودی نے "مروج الذہب"[۱۱] میں لکھا ہے کہ ولاء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے لحاظ سے وہ ہاشمی تھے، لیکن یہ بیان مشہور قول کے خلاف ہے۔

واقدی سنہ ۱۳۰ھ کے اوائل میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے[۱۲] اور وہیں نشو ونما پائی۔ ان کے شیوخ و اساتذہ میں اکثر کے ناموں کے ساتھ مدنی کی نسبت صاف ظاہر کرتی ہے کہ تعلیم وتعلم کے بیشتر مراحل انھوں نے وطن میں رہ کر طے کیے۔

واقدی کے عہد تک تحصیل علم کا رائج طریقہ اہلِ علم سے روایات کے اخذ و سماع کا تھا، جس کا سلسلہ عہدِ طفلی سے شروع ہو کر عہدِ پیری تک جاری رہ سکتا تھا۔ "کتاب المغازی" کی ایک عبارت سے مستفاد ہوتا ہے کہ واقدی نے نوعمری ہی سے روایات کے سماع کا سلسلہ شروع کر دیا تھا، چنانچہ ایک موقع پر چند اشعار نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں "سمعتھا من الاصبغ بن عبد العزیز وانا غلام"[۱۳] (میں نے [یہ اشعار] اصبغ بن عبد العزیز سے اس وقت سنے جب کہ ابھی میری مسیں بھیگ رہی تھیں)

واقدی کے شیوخ و اساتذہ کی تعداد کئی سو سے متجاوز ہے۔ خطیب بغدادی نے ان میں سے ابن ابی ذئب (ف ۱۵۸ھ) معمر بن راشد (ف ۱۵۴ھ) مالک بن انس (ف ۱۷۹ھ) محمد بن عبد اللہ بن اخی الزہری (ف ۱۵۷ھ) محمد بن عجلان (ف ۱۴۹ھ) ربیعہ بن عثمان (ف ۱۵۴ھ) ابن جریج (ف ۱۵۰ھ) اسامۃ بن زید العدوی، عبد الحمید بن جعفر (ف ۱۵۳ھ) سفیان ثوری (ف ۱۶۱ھ) اور ابو معشر السندی (ف ۱۷۰ھ) کے نام خصوصیت کے ساتھ ذکر کیے ہیں[۱۴] حافظ ابن حجر عسقلانی (ف ۸۵۲ھ) نے "تہذیب التہذیب" میں اس ضمن میں عبد الرحمٰن الاوزاعی (ف ۱۵۸ھ) سعید بن بشر، ہشام بن الغاز (ف ۱۵۳ھ) اور ابو بکر بن ابی سبرۃ (ف ۱۶۲ھ) کے نام بھی شمار کرائے ہیں۔[۱۵]

واقدی کے جن شیوخ کے نام اور سنین وفات ہمیں معلوم ہیں، ان میں سب سے پہلے وفات پانے والے عبید اللہ بن عمر بن حفص بن عمر بن خطاب (ف ۱۴۷ھ) ہیں اور سب سے بعد میں وفات پانے والے سفیان بن عیینہ (ف ۱۹۸) ہیں۔

خطیب بغدادی کی بعض روایات سے مستفاد ہوتا ہے کہ واقدی مجالسِ درس میں محض سماعت و قرارت پر اکتفا کرنے کے بجائے اساتذہ سے تنقیحی سوالات بھی کرتے جاتے تھے، چنانچہ لکھتے ہیں:۔

ابو ایوب بن ابی یعقوب قال	ابو ایوب بن ابی یعقوب کہتے ہیں میں نے
سألت ابراھیم الحربي: قلت	ابراہیم حربی سے دریافت کیا کہ میں امام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

أريد أكتب مسائل مالك، فأيما أعجب؟ مسائل ابن وهب أو ابن القاسم؟ فقال لي اكتب مسائل الواقدي، في الدنيا احد يقول سألت الثوري و ابن ابي ذئب ويعقوب؟ أرادأن مسائله اكثرها سوال[16]

مالک کے مسائل لکھنا چاہتا ہوں، آپ بتائیں کہ انھیں ابن وہب کے واسطے سے نقل کروں یا ابن قاسم کے واسطے سے؟ انھوں نے جواب دیا تم انھیں واقدی کے واسطے سے نقل کرو۔ کیا دنیا میں کوئی ایسا ہے جو کہتا ہو کہ میں نے ثوری سے دریافت کیا اور ابن ابی ذئب سے دریافت کیا اور یعقوب سے دریافت کیا۔ ابراہیم حربی کہنا یہ چاہتے ہیں کہ واقدی کے واسطے سے مروی امام مالک کے اکثر مسائل درحقیقت سوالات ہیں۔

ابراہیم حربی کے اس دعوے کی تصدیق واقدی کی "کتاب المغازی" سے بھی ہوتی ہے۔ اس کتاب میں انھوں نے بہت سے مقامات پر اساتذہ سے اپنے تنقیحی سوالات اور ان کے جوابات من وعن نقل کیے ہیں۔ مثال کے طور پر درج ذیل عبارت ملاحظہ ہو۔ غزوۂ بدر کے واقعات کے ذیل میں لکھتے ہیں :۔

قلت لعبد الحميد بن جعفر فمن اعطى سلب ابي جهل؟ قال اختلف فيه عندنا، فقال قائل اخذه معاذ بن عمرو بن الجموح، وقال قائل أعطاه ابن مسعود: فقلت لعبد الحميد من اخبرك؟ قال اما الذي قال دفعه إلى معاذ بن عمرو فاخبرنيه خارجة بن عبد الله بن كعب، واما الذي قال ابن مسعود

(واقدی کہتے ہیں) میں نے عبد الحمید بن جعفر سے پوچھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجہل کے قتل کیے جانے کے بعد اس کا سازو سامان کسے دیا؟ انھوں نے جواب دیا کہ اس باب میں روایتیں مختلف ہیں؛ کوئی کہتا ہے کہ اس کا سامان معاذ بن عمرو بن جموح نے لے لیا اور کوئی کہتا ہے کہ آپؐ نے [عبد اللہ] بن مسعود کو دے دیا۔ پھر میں نے عبد الحمید سے پوچھا کہ یہ بات آپ کو کس نے بتائی؟ انھوں نے جواب دیا کہ قولِ اول کے قائل خارجہ بن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فانہ حدثنیہ سعید بن خالد القارظی ۱۷	عبداللہ بن کعب ہیں اور دوسرے قول کے راوی سعید بن خالد القارظی ہیں ۔

واقدی اپنی معلومات میں اضافے کے لیے نہ صرف یہ کہ اہلِ علم کی مجالس میں حاضری دیا کرتے تھے، بلکہ عام اشخاص سے بھی مفید مطلب باتیں دریافت کرتے رہتے تھے۔ اس کے علاوہ خبر کو مشاہدے میں تبدیل کرنے کے خیال سے وہ تاریخی مقامات کے مشاہدے کے لیے بھی جایا کرتے تھے۔ خطیب بغدادی خود واقدی کا بیان نقل کرتے ہیں۔

ما أدرکت رجلا من ابناء الصحابۃ وابناء الشھداء ولا مولی لھم إلا وسألتہ: ھل سمعت احدا من اھلک یخبرک عن مشھدہ واین قتل؟ فإذا أعلمنی مضیت الی الموضع حتی اعاینہ۔ ولقد مضیت إلی المریسیع، فنظرت الیھا وما علمت غزاۃ إلا مضیت الی الموضع حتی اعاینہ۔ ۱۸	صحابۂ کرام اور شہدا کی اولاد نیز ان کے غلاموں میں میری جس کسی سے بھی ملاقات ہوئی، اس سے میں نے یہ ضرور پوچھا کہ کیا تمہارے گھر والوں میں سے کسی نے تم سے کسی غزوے میں اپنی شرکت کا ذکر کیا ہے؟ اگر وہ شہید ہو گیا تو کہاں کس موقع پر؟ اگر اس کے جواب میں وہ مجھے کسی جگہ کا نام بتاتا تو میں اسے دیکھنے کے لیے جاتا تھا اور میں نے مریسیع جاکر اسے بھی دیکھا ہے۔ اس کے علاوہ جتنے غزوات کا مجھے علم ہوا، ان سب کے موقع کا میں نے معائنہ کیا ہے۔

واقدی کے اس دعوے کی تصدیق ہارون الفروی (ف ۲۷۴ھ) کے درج ذیل بیان سے بھی ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں :۔

رأیت الواقدی بمکۃ ومعہ رکوۃ، فقلت این ترید؟ فقال ارید ان امضی الی حنین حتی اری الموضع والوقعۃ ۱۹	میں نے واقدی کو مکہ معظمہ میں دیکھا کہ ایک چھاگل لیے کہیں چلے جا رہے ہیں۔ میں نے پوچھا کہاں کا ارادہ ہے؟ کہنے لگے موقع جنگ دیکھنے کی غرض سے حنین جا رہا ہوں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ابن سعد نے خود واقدی کے حوالے سے لکھا ہے کہ ۱۷۰ھ[۲۰] میں اپنے پہلے سفر حج کے موقع پر ہارون رشید (ف ۱۹۳ھ) کو مدینہ منورہ کے مقامات مقدسہ کی زیارت کا اشتیاق پیدا ہوا۔ اس نے اپنے وزیر یحییٰ بن خالد برمکی (ف ۱۹۰ھ) سے خواہش ظاہر کی کہ ایک ایسا شخص تلاش کیا جائے جو مدینے کے قابلِ دید مقامات اور تاریخ وغیرہ سے بہ خوبی واقف ہو۔ یحییٰ نے لوگوں سے دریافت کیا۔ سب نے بالاتفاق واقدی کی نشاندہی کی۔ یہ بلائے گئے اور انھوں نے ساری رات خلیفہ و وزیر دونوں کو وہاں کے مختلف مقامات کی زیارت کرائی۔ ہارون رشید کو ان کی رہنمائی کا انداز بہت پسند آیا اور اس نے حسنِ خدمت کے عوض میں انھیں دس ہزار درہم عطا کیے[۲۱]۔

واقدی کہتے ہیں کہ ان دنوں ان کی مالی حالت نہایت خستہ تھی اور وہ لوگوں کے مقروض تھے۔ یہ رقم ہاتھ آئی تو انھوں نے بڑی فراخی محسوس کی اور اپنے کسی بیٹے یا بیٹی کی شادی بھی کی[۲۲]۔

خطیب بغدادی کے بیان کے مطابق علمی مشاغل کے ساتھ ساتھ واقدی مدینے میں گندم کی تجارت بھی کرتے تھے۔ ۱۸۰ھ میں اس کاروبار میں انھیں ایک لاکھ درہم کا خسارہ ہوا، چونکہ سرمایہ دوسروں کا تھا اس لیے وہ اچانک بہتوں کے مقروض ہو گئے۔ اس پریشانی کے عالم میں انھیں ہارون رشید اور یحییٰ برمکی کی یاد آئی اور وہ اپنی بیوی ام عبداللہ کے مشورے سے مدینے سے نکل پڑے[۲۳]۔

ابن سعد نے اس سفر کی روداد خود انھیں کی زبانی نہایت تفصیل کے ساتھ قلم بند کی ہے[۲۴]، جس کا ماحصل یہ ہے کہ وہ مدینے سے نکل کر پہلے بغداد پہنچے۔ وہاں معلوم ہوا کہ خلیفہ و وزیر سب "رقہ" میں قیام پذیر ہیں۔ پہلے تو گومگو کی کیفیت میں مبتلا رہے۔ بعدہٗ چند اجنبی نوجوانوں کی معیت میں "رقہ" پہنچے، لیکن وزیر سے ملاقات کی کوئی سبیل نہ نکل سکی۔ آخر میں قاضیِ رقہ وہب بن وہب ابوالبختری سے ملے اور انھیں وزیر تک رسائی کا ذریعہ بنانا چاہا۔ قاضی صاحب نے ان سے واقفیت کے باوجود حیلہ حوالے سے کام لیا۔ آخرالامر یہ ناکام و نامراد، رقہ، سے چل کھڑے ہوئے۔ حسن اتفاق سے اثنائے راہ میں ان کی ملاقات بکار بن عبداللہ زبیری (ف ۱۹۵ھ) سے ہو گئی، جو مدینے کی گورنری کا پروانہ لینے کے لیے، رقہ، جا رہے تھے۔ چونکہ واقدی سے ان کے مخلصانہ روابط تھے، انھوں نے تسلی دی اور یحییٰ سے ملاقات کرانے کا ذمہ لیا اور وعدے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے مطابق وزیر کے دربار میں باریاب کرا دیا۔ یحییٰ نے ان کی توقع سے کہیں بڑھ کر ان کے ساتھ اعزاز و اکرام، داد و دہش اور حسن سلوک کا معاملہ کیا۔ چنانچہ "رقہ" کے قیام کے دوران ہر شب انھیں پانچ سو دینار عطا کیے۔ اس کے علاوہ ہارون رشید کو ان کی حسن کارکردگی کا گذشتہ واقعہ یاد دلا کر تیس ہزار درہم دلوائے۔ پھر روانگی کے وقت بہت سے انعامات واکرامات اور تحفہ و تحائف سے نوازا اور آخر میں بڑے تزک و احتشام کے ساتھ سرکاری خرچ سے مدینے تک پہنچوانے کا بندوبست کیا۔

ابن سعد اور خطیب بغدادی کا بیان ہے کہ ۱۸۱ھ کے متذکرہ بالا واقعے کے بعد ہی واقدی نے مدینہ کی سکونت ترک کر کے بغداد کی اقامت اختیار کر لی تھی۔[۲۵]

واقدی کے تقریباً سبھی تذکرہ نگار متفق ہیں کہ وہ بغداد کے قاضی تھے، لیکن اس عہدے پر ان کا تقرر کب اور کس خلیفہ کے عہد میں عمل میں آیا؟ اس کے بارے میں روایات مختلف ہیں:-

(الف) ابن سعد[۲۶] (ف ۲۳۰ھ) اور ابن قتیبہ[۲۷] (ف ۲۷۶ھ) نے لکھا ہے کہ واقدی کو بغداد کا قاضی مامون رشید نے مقرر کیا تھا اور وہ صرف چار سال (۲۰۴ھ — ۲۰۷ھ) تک اس عہدے پر فائز رہے۔ یہ روایت سب سے زیادہ مستند اور قابلِ اعتبار ہے۔

(ب) واقدی کے ایک معاصر قاضی ہارون بن عبداللہ زہری (ف ۲۴۳ھ) کی ایک روایت میں ایک موقع پر واقدی کے لیے "حین کنت علی قضاء الرشید" کے الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ اس روایت کو خطیب[۲۸] نے سند کے ساتھ اور یاقوت[۲۹] اور ابن خلکان[۳۰] نے بغیر سند کے ذکر کیا ہے۔ اس سے ہارون رشید کے عہد میں واقدی کے قاضی بنائے جانے پر استدلال کیا جا سکتا ہے، لیکن کسی دوسرے قابلِ وثوق ذریعے سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی۔

(ج) یاقوت نے لکھا ہے کہ ہارون نے واقدی کو بغداد کے مشرقی حصے کا قاضی مقرر کیا تھا اور مامون نے انھیں 'عسکر المہدی' کے منصب قضا پر فائز کیا۔[۳۱] یہ بیان اپنے مفہوم میں صریح ہونے کے باوجود دو وجہوں سے ناقابلِ اعتبار ہے۔ ایک تو اس کی سند مذکور نہیں۔ دوسرے اس میں 'بغداد کے جانب مشرق' اور 'عسکر المہدی' کو دو مختلف اور الگ الگ مقامات کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔ حالانکہ ابن خلکان کی تصریح کے مطابق[۳۲] عسکر المہدی، بغداد کے مشرقی حصے میں واقع ایک محلے کا نام ہے۔ جو بعد میں "رُصافہ" کہلایا۔[۳۳]

(د) حافظ ابن حجر عسقلانی نے "تہذیب التہذیب" میں واقدی کے ایک شاگرد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

احمد بن منصور الرمادی (ف ۲۶۵ھ) کے حوالے سے درج ذیل عبارت نقل کی ہے:

قال احمد بن منصور الرمادی	احمد بن منصور رمادی نے بیان کیا کہ علی
قدم علینا علی بن المدینی بغداد	بن مدینی ۱۸۷ھ یا ۲۰۷ھ میں ہمارے
سنۃ سبع او ثمان وثمانین	یہاں بغداد آئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ
قال والواقدی قاض علینا	واقدی ہمارے قاضی تھے۔ رمادی کہتے
قال وکنت اطوف مع علی الخ[۳۳]	ہیں کہ میں علی بن مدینی کے ساتھ گشت میں
	مصروف تھا الخ

جرمن مستشرق پروفیسر جوزف ہورووتس نے لکھا ہے کہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ واقدی، ہارون رشید کے عہد خلافت میں ۱۸۷ھ میں بغداد کے عہدۂ قضا پر مامور تھے۔ پروفیسر موصوف کے عربی مترجم حسین نصار[۳۵] اور اردو مترجم نثار احمد فاروقی[۳۶] نے بھی اس بیان پر سکوت اختیار کیا ہے۔ حالانکہ یہ بیان متعدد وجوہ سے ناقابلِ اعتبار ہے:

(الف) اولاً اس لیے کہ ابن حجر کے یہاں صرف سال مذکور ہے، صدی مذکور نہیں۔

(ب) ثانیاً اس لیے کہ اس روایت کے ناقل احمد بن منصور ہیں، جن کا سنہ ولادت ۱۸۲ھ ہے، اس لیے یہ ناممکن ہے کہ وہ ۱۸۷ھ میں (محض پانچ سال کی عمر میں) علی بن مدینی کے ساتھ شیوخ بغداد کی مجلسوں کا چکر لگاتے پھر رہے ہوں۔

(ج) ثالثاً اس لیے کہ یہی روایت ابن حجر سے پہلے خطیب نے بھی "تاریخِ بغداد" میں درج کی ہے[۳۷] اور اس میں "سنۃ سبع او ثمان ومائتین" کے الفاظ استعمال کیے ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ۱۸۷ھ کا نہیں، بلکہ ۲۰۷ھ کا ہے اور ابن حجر کی متذکرہ بالا عبارت میں "مائتین" کو "ثمانین" پڑھ لینے کی بنا پر تصحیف واقع ہوگئی ہے۔ اس کی تصدیق ابن سید الناس (ف ۷۳۴ھ) کی "عیون الاثر" سے بھی ہوتی ہے۔ اس میں بھی "مائتین" ہی کے الفاظ وارد ہوئے ہیں[۳۸]۔

قاضی کی حیثیت سے واقدی کی ذمہ داریوں اور اختیارات کی تفصیلات کا ہمیں علم نہیں، البتہ ابوالقاسم سہمی (ف ۴۲۷ھ) کی "تاریخ جرجان" سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ بعض علاقوں کے قاضیوں کے تقرر کے اختیارات انھیں حاصل تھے، چنانچہ اشعث بن ہلال کے بارے میں لکھتے ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الاشعث بن هلال، قاضی جرجان	اشعث بن ہلال، اسماعیل بن فضل شالنجی
بعد اسماعیل بن الفضل الشالنجی،	کے بعد جرجان کے قاضی مقرر کیے گئے۔ ان
وکان ولاّہ الواقدی من بغداد[۳۹]	کا تقرر واقدی نے بغداد سے کیا تھا۔

اسی طرح سہمی کے ایک دوسرے بیان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وقف ناموں کو قانونی وسرکاری حیثیت دینے اور انھیں جاری ونافذ کرنے کے بھی وہ مجاز تھے، چنانچہ ذی قعدہ سنہ ۲۰۲ھ میں واقدی کے حکم سے ایک وقف نامے کے نافذ کیے جانے کا ذکر، تاریخ جرجان میں موجود ہے[۴۰]

واقدی کے حالاتِ زندگی سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہایت سخی، فیاض اور دریا دِل انسان تھے۔ یہ صفت ان میں اس حد تک پائی جاتی تھی کہ اکثر وبیشتر مقروض اور مفلوک الحال رہا کرتے تھے۔ ذیل میں "طبقات ابن سعد[۴۱]" سے ان کی سخاوت کا ایک دلچسپ واقعہ نقل کیا جاتا ہے۔ اس کے راوی خود واقدی ہیں۔ فرماتے ہیں:

"ماہ شعبان کی بیس(۲۰) سے زیادہ تاریخیں گزر چکی تھیں۔ ہمارے گھر میں نہ آٹا تھا، نہ ستّو اور نہ روزمرہ استعمال کا کچھ اور سامان۔ میں نے دل میں تین(۳) ایسے آدمیوں کے نام تجویز کیے جن سے میرے برادرانہ مراسم تھے اور سوچ لیا کہ ان کے سامنے اپنی حاجت رکھوں گا۔ اس کے بعد میں اپنی بیوی ام عبداللہ کے پاس پہنچا۔ اس نے دیکھتے ہی پوچھا ابوعبداللہ! آپ نے کیا انتظام کیا؟ ماہِ رمضان قریب ہے اور گھر میں آٹا، ستو اور روزمرہ کے استعمال وغیرہ کا کوئی سامان موجود نہیں۔ میں نے کہا اس سلسلے میں تین(۳) دوستوں کے نام ذہن میں ہیں۔ اس نے پوچھا وہ مدینے کے رہنے والے ہیں یا عراق کے؟ میں نے کہا بعض مدنی ہیں اور بعض عراقی۔ کہنے لگی ایک ایک کا نام بتاؤ۔ میں نے کہا فلاں۔ اس نے کہا خاندانی ہے اور روپے والا بھی، لیکن احسان جتانا اس کا شیوہ ہے۔ میرے خیال میں اس کے پاس جانا مناسب نہیں، اب دوسرا نام بتائیے۔ میں نے کہا فلاں۔ کہنے لگی یہ بھی خاندانی ہے اور دولت مند بھی، لیکن بخیل ہے، آپ وہاں بھی نہ جائیں۔ میں نے کہا تو فلاں؟ اس نے کہا شریف بھی ہے اور خاندانی بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیکن اس کے پاس ہے کچھ نہیں، البتہ وہاں جانے میں کچھ مضائقہ بھی نہیں۔
میں اس دوست کے گھر پہنچا، دستک دی، اندر داخل ہوا۔ وہ تپاک سے ملا، پاس بٹھایا اور پوچھا ابو عبداللہ! کیسے آئے؟ میں نے ماہِ مبارک کی آمد اور اپنی خستہ حالی کا قصہ سنا دیا۔ وہ کچھ دیر متامل رہا، پھر کہا اچھا مسند کی تہہ اٹھاؤ، تھیلی لو اور ان دراہم کو جھاڑ پونچھ کر خرچ میں لاؤ۔ میں نے دیکھا تو یہ کچھ دراہم تھے، جن کی رنگت سبزی مائل تھی۔ میں نے تھیلی لی، گھر پہنچا اور اس آدمی کو بلایا جو میرا سودا سلف لایا کرتا تھا، اس سے کہا لکھو! گیہوں کے دس بورے، چاول ایک بورا، شکر اتنی، اسی طرح تمام ضروری سامان لکھوا دیے۔

اسی دوران دروازے پر دستک ہوئی، میں نے کہا دیکھو کون ہے؟ خادمہ نے بتایا، یہ فلاں بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب ہیں۔ میں نے کہا اندر بلا لو۔ وہ آئے تو میں نے کھڑے ہو کر ان کا خیر مقدم کیا، اپنے پاس بٹھایا اور کہا نبی زادے! کیسے تشریف لائے؟ کہنے لگے چچا جان! بات یہ ہے کہ ماہِ رمضان قریب ہے اور ہمارے پاس ہے کچھ نہیں۔ میں کچھ دیر سوچتا رہا، پھر کہا مسند کی تہہ اٹھائیے اور تھیلی لے لیجئے۔ لینے کے بعد میں نے کہا اب آپ جا سکتے ہیں۔ وہ چلے گئے تو ام عبداللہ آئیں، کہنے لگیں اس نوجوان کے لیے آپ نے کیا کیا؟ میں نے کہا پوری تھیلی دے دی۔ کہنے لگیں اسے توفیق خداوندی سمجھئے۔ واقعی آپ نے بہت اچھا کام کیا۔

قریب ہی ایک اور دوست رہتا تھا۔ میں کچھ دیر سوچتا رہا، پھر جوتے پہنے اور اس کی طرف بڑھ گیا۔ دروازے پر دستک دی، اندر پہنچا تو اس نے خود ہی سلام کیا، خوش آمدید کہا، قریب بٹھایا اور پوچھا ابو عبداللہ کیوں کر آنا ہوا؟ میں نے ماہ مبارک کی آمد اور اپنی خستہ حالی کی روداد سنا دی۔ وہ کچھ دیر متفکر رہا، پھر کہا مسند کی تہہ اٹھاؤ، تھیلی لو اور اس میں سے نصف تم لے لو اور نصف مجھے دے دو۔ میری حیرت کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس وقت کوئی انتہا نہ رہی جب میں نے دیکھا کہ وہ میری اپنی ہی تھیلی تھی۔ بہرحال پانچ سو درہم میں نے لے لیے اور پانچ سو اس کے لیے چھوڑ دیے۔ گھر آیا، سودا سلف لانے والے آدمی کو بلایا اور کہا لکھو: گیہوں پانچ بورے ...... وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح تمام ضروریات لکھوا دیں۔

اسی درمیان دستک کی آواز آئی۔ میں نے خادمہ سے کہا دیکھو کون ہے؟ وہ باہر گئی اور آکر بتایا کوئی شریف غلام معلوم ہوتا ہے۔ میں نے کہا بلا لاؤ۔ اس نے یحییٰ بن خالد برمکی کا ایک خط دیا، جس میں مجھے فوراً بلایا گیا تھا، میں نے اسے باہر بھیج کر لباس تبدیل کیا اور سواری پر بیٹھ کر غلام کے ساتھ چل دیا۔ یحییٰ کے یہاں پہنچا تو دیکھا کہ وہ مکان کے صحن میں بیٹھا ہوا ہے۔ میں نے سلام کیا۔ اس نے دیکھتے ہی خوش آمدید کہا، اپنے پاس جگہ دی اور غلام سے کہا گل تکیہ لانا۔ میں بیٹھ گیا تو کہنے لگا ابوعبداللہ! جانتے ہو تمہیں کیوں بلایا ہے؟ میں نے کہا نہیں معلوم۔ کہنے لگا میں رات اس فکر میں سو نہ سکا کہ ماہِ رمضان قریب ہے، معلوم نہیں تمہارے پاس کیا ہے اور کیا نہیں؟ میں نے کہا اللہ وزیر کو سلامت رکھے، میری کہانی تو بہت طولانی ہے۔ کہنے لگا کہانی کا لطف تو اس کی درازی ہی میں ہے۔

تب میں نے ام عبداللہ کے سوال اور تینوں دوستوں نیز ان کے بارے میں اس کے تاثرات کی داستان سنا دی۔ طالبی نوجوان کا واقعہ بھی بتایا اور اس دوسرے دوست کا قصہ بھی سنا دیا، جس نے آخر میں میرے ساتھ سلوک کیا تھا۔ سب کچھ سننے کے بعد یحییٰ نے غلام سے کہا دوات لاؤ۔ خزانچی کے نام رقعہ لکھ کر بھیجا۔ فوراً پانچ سو دینار کی ایک تھیلی آگئی۔ اس نے کہا ابوعبداللہ! لو اس سے ماہ مبارک میں کام لینا۔ پھر خزانچی کے پاس ایک اور رقعہ بھیجا، دو سو دینار کی تھیلی آگئی۔ کہنے لگا یہ دینار ام عبداللہ کے ہیں۔ ان کی فراخ دلی اور دانش مندی کے صلے میں عطا کیے جاتے ہیں۔ پھر ایک اور رقعہ بھیجا دو سو دینار اور آگئے، اس نے کہا یہ طالبی نوجوان کے ہیں۔ پھر ایک اور رقعہ بھیجا، ایک تھیلی میں دو سو دینار اور آگئے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس نے کہا یہ تمہارے محسن دوست کے ہیں۔ پھر اس نے کہا ابو عبداللہ! خدا حافظ اب جاؤ۔

میں سب سے پہلے اس دوست کے پاس پہنچا جس نے تھیلی سے (نصف درہم) دیئے تھے، اسے دو سو دینار دیے اور یحیٰی کا پورا واقعہ سنا دیا۔ محسوس ہوتا تھا کہ اسے شادی مرگ ہو جائے گی۔ پھر طالبی نوجوان کے پاس آیا اور یحیٰی کا واقعہ سناتے ہوئے اس کی تھیلی اس کے سپرد کر دی، اس نے اس کے حق میں دعائے خیر کی اور شکریہ ادا کیا۔ پھر میں اپنے گھر آیا اور راقم عبداللہ کو ان کی تھیلی دے دی۔ انھوں نے بھی اسے دعائیں دیں[۱۱]۔"

یحیٰی بن خالد کا سنہ وفات سنہ ۱۹۰ھ ہے، لہٰذا کہا جا سکتا ہے کہ متذکرہ بالا واقعہ سنہ ۱۸۰ھ سے سنہ ۱۹۰ھ کے درمیان کسی وقت پیش آیا۔

اسی سلسلے کا ایک دوسرا واقعہ مولانا شبلی کی زبانی سنئے۔ موصوف "المامون[۱۲]" میں لکھتے ہیں:

"علامہ واقدی نے جو فن سیر کے امام ہیں، ایک بار مامون کو خط لکھا جس میں ناداری کی شکایت اور لوگوں کا جس قدر قرضہ چڑھ گیا تھا، اس کی تعداد لکھی تھی۔ مامون نے جواب میں یہ الفاظ لکھے: "آپ میں دو عادتیں ہیں؛ حیا اور سخاوت۔ سخاوت نے آپ کے ہاتھ کھول دیے ہیں کہ جو کچھ تھا، آپ نے سب اڑا دیا۔ حیا کا یہ اثر ہے کہ آپ نے اپنی پوری حاجت نہیں ظاہر کی۔ میں نے حکم دے دیا ہے۔ تعدادِ مطلوبہ کا مضاعف آپ کی خدمت میں پہنچ جائے گا۔ اگر آپ کی اصلی ضرورت کے لیے یہ مقدار پوری نہ اترے تو خود آپ کی کوتاہ قلمی کا قصور ہے اور اگر کافی ہو جائے تو آئندہ بھی آپ جس قدر چاہیں فراخ دستی سے صرف کریں، خدا کے خزانے میں کچھ کمی نہیں ہے۔ آپ نے خود مجھ سے یہ حدیث روایت کی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زبیرؓ سے فرمایا تھا کہ رزق کی کنجیاں عرش پر ہیں۔ خدا بندوں کے لیے ان کے خرچ کے موافق رزق دیتا ہے، زیادہ ہو تو زیادہ، کم ہو تو کم۔" علامہ واقدی کو یہ حدیث یاد نہیں رہی تھی۔ وہ صلے سے زیادہ اس بات سے خوش

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوئے کہ مامون کے یاد دلانے سے، ان کو ایک بھولی ہوئی حدیث یاد آگئی[۴۶]۔

واقدی کے سنہ وفات کے بارے میں مشہور قول یہی ہے کہ انھوں نے مامون کے عہد حکومت میں ۲۰۷ھ میں بغداد میں وفات پائی[۴۷]۔ خطیب نے محمد بن عبداللہ حضرمی سے ایک روایت ۲۰۹ھ کی بھی نقل کی ہے[۴۸]، جسے مسعودی نے بھی اختیار کر لیا ہے[۴۹]۔ لیکن خود خطیب نے پہلی روایت کو اصح قرار دیا ہے[۵۰]۔ اسی طرح ابن خلکان نے بھی ۲۰۷ھ کے علاوہ ایک قول ۲۰۹ھ اور دوسرا ۲۰۶ھ کا نقل کیا ہے اور پھر مؤخر الذکر دونوں اقوال کے مقابلے میں مقدم الذکر قول کو ترجیح دی ہے[۵۱]۔

جہاں تک ماہِ وفات کا تعلق ہے، تو اس پر تمام تذکرہ نگار متفق ہیں کہ واقدی ماہِ ذی الحجہ میں فوت ہوئے۔ ابن خلکان نے خطیب بغدادی کے حوالے سے ایک قول ماہ ذی القعدہ کا بھی نقل کر دیا ہے[۵۲]، لیکن بظاہر انھیں غلط فہمی ہوئی، کیونکہ خطیب کے یہاں ابن سعد کے حوالے سے صرف ماہِ ذی الحجہ کا ہی قول مذکور ہے[۵۳]۔

وفات کے دن، تاریخ اور وقت کے بارے میں ابن ندیم[۵۴] (ف مابعد ۳۹۰ھ) یاقوت حموی[۵۵] اور ابن خلکان[۵۶] کا متفقہ بیان ہے کہ انھوں نے بروز دوشنبہ، گیارہویں تاریخ کو شام کے وقت وفات پائی۔

ابن سعد[۵۷]، ابن ندیم[۵۸] اور ابن خلکان[۵۹] کا بیان ہے کہ واقدی کی نماز جنازہ قاضی محمد بن سماعہ تمیمی حنفی (ف ۲۳۶ھ) نے پڑھائی۔ ابن ندیم[۶۰]، یاقوت اور ابن خلکان[۶۱] کی تصریح کے مطابق "مقابر خیزران" میں مدفون ہوئے۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ وفات کے وقت مقروض تھے، جس کی ادائیگی ان کی وصیت کے مطابق مامون نے کی[۶۲]۔ تجہیز و تکفین کا انتظام بھی مامون ہی نے کیا تھا[۶۳]۔

ابن ندیم نے لکھا ہے کہ واقدی شیعی تھے، لیکن اپنے عقائد کی پردہ پوشی کے لیے ہمیشہ تقیہ کیے رہتے تھے۔ انھوں نے روایت نقل کی ہے کہ جس طرح عصائے موسیٰ اور دم عیسیٰ کو معجزے کی حیثیت حاصل ہے، اسی طرح حضرت علیؓ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ تھے۔

(وکان تیتشیع، حسن المذهب، یلزم التقیة، وهو الذی روی أن علیاً علیه السلام کان من معجزات النبی صلی الله علیه وسلم، کالعصا لموسیٰ علیه السلام واحیاء الموتی لعیسیٰ بن مریم علیه السلام)[۶۴]

لیکن ابن ندیم کا یہ بیان غلط فہمی یا بدگمانی پر مبنی معلوم ہوتا ہے، کیونکہ اس بیان میں وہ منفرد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں، یعنی کسی دوسرے ذریعے سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی۔ اس کے برخلاف متعدد ایسے شواہد موجود ہیں، جن سے واقدی کے عدم تشیع پر استدلال کیا جا سکتا ہے۔ رہی متذکرہ بالا روایت تو اگر واقدی نے اسے نقل بھی کیا ہو، تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ ان کا ذاتی عقیدہ بھی ہو۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ خود شیعی مآخذ و مراجع انھیں غیر شیعہ تصور کرتے ہیں[۶۴]

واقدی کی اولاد اور ان کے دوسرے افرادِ خاندان کے بارے میں ہماری معلومات بہت محدود ہیں۔ خطیب بغدادی (ف ۴۶۳ھ) نے "تاریخ بغداد"[۶۵] میں ان کے ایک بیٹے کے بارے میں بعض تفصیلات فراہم کی ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ واقدی کی طرح ان کا نام بھی محمد اور کنیت ابو عبداللہ تھی۔ یہ اپنے والد کے شاگرد اور ان کی "کتاب التاریخ" کے راوی ہیں۔ اس کے علاوہ موسیٰ بن داؤد (ف ۲۱۶ھ) سے بھی روایات نقل کرتے ہیں۔ خود ان سے روایت کرنے والوں میں عباس بن عبداللہ الترقفی (ف ۲۶۷ھ) اور اسماعیل اسحاق المعمری (ف ۳۰۵ھ) کے نام لیے جاتے ہیں۔ یہی تفصیلات سمعانی (ف ۵۶۲ھ) کی کتاب الانساب" میں بھی مذکور ہیں۔ لکھتے ہیں:

"وابنہ ابو عبد اللہ محمد بن محمد بن عمر واقد الواقدی، حدث عن ابیہ بکتاب التاریخ وغیرہ، حدث ایضا عن موسی بن داؤد، وروی عنہ عباس بن عبد اللہ الترقفی واسماعیل بن اسحاق المعمری وغیرھما[۶۶]"

"تاریخ بغداد" کی ایک عبارت سے مستفاد ہوتا ہے کہ واقدی کے ایک صاحب زادے مشہور امام جرح و تعدیل یحییٰ بن معین کے دوست تھے۔ (استحیی من ابنہ ھو لی صدیق)[۶۷] ممکن ہے کہ یہ وہی متذکرہ بالا محمد بن محمد بن عمر ہوں اور اس بات کا بھی امکان ہے کہ یہ ان کے علاوہ کوئی دوسرے بیٹے ہوں۔ واللہ اعلم۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے "تہذیب التہذیب" میں خطیب بغدادی کی "موضح ادہام الجمع والتفریق" کے حوالے سے لکھا ہے کہ واقدی کے ایک بھائی کا نام "شملۃ" تھا[۶۸]۔

محمد بن سلام الجمحی (ف ۲۳۱ھ) فرماتے ہیں: "الواقدی عالم دھرہ" (واقدی اپنے عہد کے زبردست عالم تھے) حافظ شمس الدین ذہبی (ف ۷۴۸ھ) لکھتے ہیں: "واقدی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"...... العلامۃ أحد اوعیۃ العلم"[۳۳] (واقدی ..... علامہ اور علم کے جامع و حافظ تھے) یاقوت رومی (ف ۶۲۶ھ) رقم طراز ہیں: "الواقدی أحد أوعیۃ العلم"[۳۴] (واقدی علم کے جامع و حافظ تھے) ابوالفتح ابن سید الناس الیعمری الشافعی (ف ۷۳۴ھ) لکھتے ہیں: "الواقدی غیر مدفوع عن سعۃ العلم"[۳۵] (واقدی کی وسعتِ علم کا انکار نہیں کیا جاسکتا) ابن خلکان لکھتے ہیں: "الواقدی ..... کان اماما عالما"[۳۶] (واقدی امام اور عالم تھے) مصعب الزبیری (ف ۱۵۷ھ) کا قول ہے: "واللہ ما رأینا مثلہ قط"[۳۷] (بہ خدا ہم نے کبھی واقدی کی مثال اور نظیر نہ دیکھی) مجاہد بن موسیٰ (ف ۲۴۴ھ) کا بیان ہے: "ما رأیت مثلہ"[۳۸] (میں نے ان کی مثال نہ دیکھی) حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: "الواقدی ..... أحد الاعلام"[۳۹] (واقدی ..... مشاہیر میں شمار کیے جاتے ہیں)

ان بیانات کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ واقدی کا علمی مقام نہایت بلند ہے۔ ان کا شمار مشاہیر کی فہرست میں کیا جاتا ہے۔ ان کے علم کا دائرہ نہایت وسیع تھا۔ وہ امام، عالم اور علامہ کے القاب سے یاد کیے جاتے ہیں۔ اپنے عہد میں علمی لحاظ سے وہ اپنی مثال آپ تھے۔

ابوعامر العقدی (ف ۲۰۴ھ) کہتے ہیں: "ما کان یفیدنا الشیوخ والاحادیث بالمدینۃ إلا الواقدی"[۴۰] (مدینے میں اساتذۂ حدیث اور احادیث کی بابت ہمیں سب سے زیادہ معلومات واقدی سے فراہم ہوتی تھیں) عبداللہ بن مبارک (ف ۱۸۱ھ) فرماتے ہیں: "کنت أقدم المدینۃ فما یفیدنی ولا یدلنی علی الشیوخ الا الواقدی"[۴۱] (میں مدینے آتا تو مجھے واقدی کے علاوہ نہ تو کسی سے کوئی فیض پہنچتا اور نہ اساتذۂ حدیث کا کوئی پتہ بتاتا)

ان بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ واقدی کو فنِ حدیث سے خاص مناسبت حاصل تھی خصوصاً مدینے کی احادیث اور اساتذۂ حدیث کے بارے میں وہ اس حد تک معتبر و مستند اور بالغ نظر تصور کیے جاتے تھے کہ یگانۂ روزگار محدثین بھی ان کی طرف رجوع کرتے اور فیض یاب ہوتے تھے۔

حافظ ذہبی "تذکرۃ الحفاظ" میں لکھتے ہیں: "الواقدی ..... ابوعبداللہ المدنی الحافظ ..... البحر" (واقدی ..... ابوعبداللہ المدنی، حافظ او ربحر تھے) مجاہد بن موسیٰ کہتے ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"ماكتبت عن أحد أحفظ منه"[۵۸۰] (میں نے واقدی سے زیادہ قوت والے کسی محدث سے حدیثیں نہیں لکھیں۔)

ان اقوال کے پیشِ نظر کہا جا سکتا ہے کہ واقدی کا شمار ممتاز حافظین حدیث میں کیا جاتا ہے۔ انھیں اس بڑی تعداد میں احادیث حفظ تھیں کہ ذہبی نے ان کے لیے "الحافظ، البحر" اور مجاہد نے "احفظ" کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔

ابراہیم بن اسحاق الحربی (ف ۲۸۵ھ) فرماتے ہیں: "من قال إن مسائل مالك وابن أبي ذهب توجد عند أحد أوثق من الواقدي فلا يصدق"[۵۸۱] (امام مالک اور ابن ابی ذئب کے فقہی مسائل کے سب سے معتبر راوی واقدی ہیں۔ اگر کوئی شخص اس کے خلاف کا دعویٰ کرے تو اس کی تصدیق نہیں کی جا سکتی) مجاہد بن موسیٰ کا قول ہے: "كان يعرف رأي سفيان ومالك"[۵۸۲] (واقدی، امام مالک اور سفیان ثوری کے فقہی مسلک و مذہب سے خوب واقف تھے) ابراہیم الحربی ایک دوسرے موقع پر فرماتے ہیں: "....وأما فقه أبي عبيد فمن كتب محمد بن عمر الواقدي"[۵۸۳] (ابو عبید القاسم بن سلام کی فقہ کا ماخذ واقدی کی کتابیں ہیں)

ان اقتباسات سے معلوم ہوتا ہے کہ واقدی کو علم حدیث کی طرح، علم فقہ سے بھی مناسبت حاصل تھی۔ خصوصاً امام مالک، ابن ابی وہب اور سفیان ثوری کی فقہی آرا پر ان کی نظر بہت گہری تھی۔ ابو عبید کی فقہ انھیں سے ماخوذ و مستفاد ہے۔

ابراہیم الحربی کہتے ہیں: "كان الواقدي أعلم الناس بأمر الإسلام"[۵۸۴] (واقدی دورِ اسلام کی تاریخ کے سب سے زیادہ واقف کار تھے) خیر الدین الزرکلی لکھتے ہیں: "من أقدم المؤرخين في الإسلام"[۵۸۵] (واقدی اسلامی مورخوں میں شمار کیے جاتے ہیں)

ان بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ واقدی، محدث اور فقیہ ہونے کے ساتھ ساتھ اسلامی تاریخ کے زبردست عالم بھی تھے، چنانچہ ان کا شمار متقدمین مورخین میں کیا جاتا ہے۔

یوسف بن خالد السمتی (ف ۱۸۹ھ) کہتے ہیں: "رأينا الواقدي يوماً جالساً إلى أسطوانة في مسجد المدينة وهو يدرس، فقلنا له أي شيء تدرس؟ فقال جزء من المغازي"[۵۸۶] (ہم نے ایک دن مسجد نبوی میں ایک ستون کے پاس واقدی کو کچھ پڑھتے ہوئے دیکھا۔ پوچھا کیا پڑھ رہے ہیں؟ کہنے لگے مغازی کا ایک جز پڑھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رہا ہوں۔ ابن سعد (ف ۲۳۰ھ) لکھتے ہیں: "کان عالما بالمغازی والسیرۃ والفتوح"[۸۸] (واقدی مغازی، سیرت اور اسلامی فتوحات کا علم رکھتے تھے) یہی الفاظ ابن ندیم کے بھی ہیں: "کان عالما بالمغازی والسیرۃ والفتوح"[۸۹] ابوالفدا اسماعیل بن علی (ف ۷۳۲ھ) تحریر کرتے ہیں: "کان عالما بالمغازی"[۹۰] مسعودی لکھتے ہیں: "ھو.... صاحب السیر والمغازی"[۹۱] حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں: .... "الواقدی .... صاحب السیر والمغازی"[۹۱] حافظ ذہبی لکھتے ہیں: "وھو رأس فی المغازی والسیر"[۹۲] (واقدی سیر ومغازی کے امام ہیں) ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں: "کان الی حفظہ المنتھی فی الأخبار والسیر والمغازی والحوادث وایام الناس"[۹۳] (احادیث، سیرت ومغازی اور عام حادثات وواقعات کے محفوظ رکھنے میں واقدی کی قوتِ یادداشت ماخذ ومرجع کی حیثیت رکھتی تھی) یاقوت نے بھی معمولی لفظی اختلاف کے ساتھ تقریباً یہی بات کہی ہے: "کان الی حفظہ المنتھی فی المغازی والسیر والاخبار وایام الناس والوقائع"[۹۴] ابوعبداللہ الحاکم (ف ۴۰۵ھ) لکھتے ہیں: "والواقدی مقدم فی ھذا العلم"[۹۵] (واقدی اس باب [سیر وطبقات] میں دوسروں پر فائق ہیں) ابن سید الناس تحریر کرتے ہیں: "الی محمد بن عمر انتھی علم ذلک"[۹۶] (محمد بن عمر واقدی پر علم سیرت ومغازی تمام ہوگیا) ڈاکٹر احمد امین (ف ۱۳۷۳ھ) لکھتے ہیں: "عنی الواقدی بالمغازی والسیر والتاریخ الاسلامی عامۃ ونبغ فی ذلک"[۹۷] (واقدی نے مغازی وسیر اور عام اسلامی تاریخ کی طرف خاص طور پر توجہ کی اور اس باب میں ہم عصروں کے مقابلے میں فائق اور برتر ثابت ہوئے) دوسری جگہ لکھتے ہیں: "کان الواقدی من أوسع الناس علما فی عصرہ بالمغازی والسیر والتاریخ الاسلامی عامۃ، کما کان واسع العلم بالحدیث والتفسیر والفقہ"[۹۸] (واقدی اپنے زمانے میں مغازی وسیر کے سب سے بڑے عالم تھے۔ اسی طرح فنونِ حدیث وتفسیر وفقہ میں بھی ان کا علم نہایت وسیع تھا)

متذکرہ بالا بیانات کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ واقدی کو اسلامی تاریخ کی ایک خاص شاخ مغازی وسیر سے خصوصی ارتباط، بلکہ شغف اور عشق تھا۔ چنانچہ اسی بنا پر ابن سعد، ابن ندیم اور ابوالفدا نے انھیں "عالمِ مغازی وسیر" کہا ہے اور مسعودی وحافظ ابن کثیر نے ان کے لیے "صاحب السیر والمغازی" کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ یاقوت، ذہبی اور ابن سید الناس نے انھیں اس باب میں سند اور مرجع قرار دیا ہے۔ ابوعبداللہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الحاکم اور احمد امین کی رائے کے مطابق وہ اس فن میں اپنے معاصرین میں فائق اور برتر ہیں۔ مغازی و سیر کے علاوہ صحابہ و تابعین اور تبع تابعین کے طبقات و تراجم، اسلامی فتوحات، نیز عہد رسالت، عہد خلافت راشدہ اور عہد بنی اُمیہ کی عمومی تاریخ پر بھی ان کی نگاہ بہت گہری تھی۔

واقدی کثیر التصانیف مصنف تھے۔ ان کی شخصیت کی طرح ان کی تصانیف نے بھی اسلامی دیار و امصار میں شہرت و قبولیت حاصل کی۔ خطیب بغدادی لکھتے ہیں:

وھو ممن طبق شرق الارض وغربہٗ ذکرہ	واقدی ان لوگوں میں ہیں جن کے تذکروں
ولم یخف علی احد عرف اخبار الناس	سے مشرق و مغرب معمور ہے اور جن سے
أمرہٗ وسارت الرکبان بکتبہ فی فنون	تاریخ کا ہر طالب علم واقف ہے اور
العلم من المغازی والسیر	مختلف علوم و فنون میں جن کی تصانیف
والطبقات واخبار النبی صلی اللہ	دیار و امصار کا تحفہ ہیں۔ یہ تصانیف
علیہ وسلم، والأحداث التی	مغازی و سیر، طبقات و تراجم، آنحضرت
کانت فی وقتہ وبعد وفاتہ	صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات و واقعات
صلی اللہ علیہ وسلم، وکتب	اور آپؐ کی وفات کے بعد کی تاریخ
الفقہ، واختلاف الناس	نیز فقہ اور فقہی مسائل میں ائمہ کے اختلاف
وغیر ذالک۔[۹۹]	وغیرہ سے تعلق رکھتی ہیں۔

ابن ندیم نے "الفہرست"[۱۰۰] میں واقدی کی اٹھائیس[۲۸] تصانیف کے نام شمار کرائے ہیں۔ ہم ذیل میں انھیں کی ترتیب اور عنوان کے مطابق ان کے نام درج کرتے ہیں:

(۱) کتاب التاریخ والمغازی والمبعث (۲) کتاب اخبار مکۃ
(۳) کتاب الطبقات (۴) کتاب فتوح الشام
(۵) کتاب فتوح العراق (۶) کتاب الجمل
(۷) کتاب مقتل الحسین رضی اللہ عنہ (۸) کتاب السیرۃ
(۹) کتاب ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم (۱۰) کتاب الردۃ والدار
(۱۱) کتاب حرب الاوس والخزرج (۱۲) کتاب صفین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۱۳) کتاب وفاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم (۱۴) کتاب أمر الحبشة والفیل

(۱۵) کتاب المناکح (۱۶) کتاب السقیفة وبیعة أبی بکر

(۱۷) کتاب ذکر القرآن (۱۸) کتاب سیرۃ ابی بکر ووفاتہ

(۱۹) کتاب مراعی قریش والانصار فی القطائع ووضع عمر الدواوین، وتصنیف القبائل ومراتبها وأنسابها۔

(۲۰) کتاب الترغیب فی علم القرآن وغلط الرجال

(۲۱) کتاب مولد الحسن والحسین ومقتل الحسین رضی اللہ عنہ

(۲۲) کتاب ضرب الدنانیر والدراھم (۲۳) کتاب تاریخ الفقہاء

(۲۴) کتاب الآداب (۲۵) کتاب التاریخ الکبیر

(۲۶) کتاب غلط الحدیث (۲۷) کتاب السنة والجماعة وذم الھوی

(۲۸) کتاب الاختلاف

ابن ندیم کے بعد کے مصنفین معمولی لفظی اختلافات کے ساتھ تقریباً یہی فہرست دہراتے رہے ہیں، اس لیے دوسروں کے بیانات کے نقل اور اعادے کی حاجت نہیں۔ البتہ نامناسب نہ ہوگا اگر واقدی کی بعض تصانیف کے بارے میں جو معلومات فراہم ہوسکی ہیں، وہ پیش کردی جائیں۔

(۱) کتاب التاریخ والمغازی والمبعث

واقدی کی جو تصانیف دستبردِ زمانہ سے محفوظ رہ گئی ہیں، ان میں ایک 'کتاب المغازی' بھی ہے۔ اس کا پورا نام ابن ندیم اور یاقوت نے 'کتاب التاریخ والمغازی والمبعث' تحریر کیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ آیا یہ ابن اسحاق (ف ۱۵۱ م) کی 'کتاب المبتدا والمبعث والمغازی' کی طرح ایک ہی کتاب کے تین حصوں کے عنوانات ہیں؟ یا یہ تین مستقل کتابیں ہیں؟ مستشرق مارسڈن جونس (MARSDEN JONES) کا رجحان یہ ہے کہ یہ ایک ہی ضخیم کتاب کے تین حصے ہیں (واذا تاملنا عنوان الکتاب..... یبدو لنا الأول وھلة ان کتاب المغازی جزء من کتاب ضخم یتضمن التاریخ والمغازی والمبعث) اگر اس رائے سے اتفاق کرلیا جائے تو یہ ماننا پڑے گا کہ اس کتاب کا صرف حصۂ مغازی ہم تک پہنچ سکا اور بقیہ دونوں حصے ناپید ہوگئے۔ لیکن بعض قدیم مصنفین کے بیانات سے مستفاد ہوتا ہے کہ یہ تین الگ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الگ کتابیں ہیں۔ اس سلسلے میں پہلے ابو الربیع سلیمان بن موسیٰ الکلاعی (ف ۶۳۴ھ) کا بیان ملاحظہ ہو۔ موصوف "الاکتفاء بسیرۃ المصطفیٰ" میں تحریر فرماتے ہیں:

"وقد وقفت علی کتاب محمد بن عمر الواقدی فی المغازی ولم یحضرنی الآن ولکن رأیتہ کثیرا ما یجری مع ابن اسحاق، فاستغنیت عنہ بہ ..... وللواقدی أیضا "کتاب المبعث" وھو مشبع فی بابہ، مجتمع باستیفائہ واستیعابہ، وقد نقلت ھنا منہ جملا تناسب الغرض المذکور" [۱۰۲]

اس سے درج ذیل نتائج برآمد ہوتے ہیں:

(الف) ابو الربیع الکلاعی کے پاس 'کتاب المغازی' اور 'کتاب المبعث' دونوں موجود تھیں اور وہ انھیں دو مستقل کتاب قرار دیتے ہیں۔

(ب) 'کتاب المبعث'، کوئی مختصر کتابچہ نہ تھا، بلکہ اپنے موضوع پر ایک جامع، مبسوط اور مکمل کتاب تھی۔

(ج) کم از کم الکلاعی کے عہد (۵۶۵ھ ــــ ۶۳۴ھ) تک یہ کتاب اپنی اصل شکل میں دنیا میں موجود تھی۔

(د) اس کے بعض اقتباسات "الاکتفاء" میں موجود ہیں۔

دوسرا بیان ابن عبد البر النمری القرطبی المالکی (ف ۴۶۳ھ) کا ہے۔ موصوف "الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب" کے مقدمے میں اپنے مآخذ کی تفصیلات بتاتے ہوئے لکھتے ہیں:

"واما تاریخ الواقدی، فاخبرنی بہ خلف بن قاسم عن ابی الحسن علی بن العباس بن الوف المصری عن جعفر بن سلیمان النوفلی عن ابراھیم بن المنذر الحزامی عن الواقدی" [۱۰۳]

اس عبارت میں اگر 'تاریخ الواقدی' سے ان کی 'التاریخ الکبیر' مراد نہ ہو تو کہا جا سکتا ہے کہ یہ وہی زیر بحث 'کتاب التاریخ' ہے، جسے بعض حضرات نے 'کتاب المغازی' کا تمہیدی حصہ قرار دیا ہے، لیکن فی الواقع یہ ایک مستقل کتاب ہے، جو ابن عبد البر کے عہد تک موجود تھی اور انھوں نے 'الاستیعاب' میں اس سے جا بجا استفادہ کیا ہے۔

'کتاب المغازی' پہلی بار وان کریمر (VON KREMER) نے کلکتہ سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۵۶ـ ۱۸۵۵ء میں ٹائپ کے حروف میں شائع کی تھی۔ اس کی بنیاد دمشق کے ایک ناقص قلمی نسخے پر رکھی گئی تھی، اس لیے یہ اصل کتاب کے محض ایک تہائی حصے کے بہ قدر شائع ہوسکی۔

اس کا دوسرا ایڈیشن مطبع نول کشور، کان پور سے ۱۲۸۷ھ میں شائع ہوا تھا۔ یہ وان کریمر کے نسخے کی نقل تھا۔ اس کا تیسرا کامل ایڈیشن مارسڈن جونس (MORSDEN JONES) نے ۱۹۶۶ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی پریس سے تین[۳] جلدوں میں شائع کیا ہے۔ یہ برٹش میوزیم، لندن کے قلمی نسخے پر مبنی ہے اور جدید ترین اصولوں کے مطابق ترتیب دیا گیا ہے۔ بروکلمان کی اطلاع کے مطابق 'کتاب المغازی' کا ایک مختصر جرمن ترجمہ ۱۸۸۲ء میں برلن سے شائع ہوا تھا۔[۱۰۴] حافظ ابن حجر نے "تعلیق من مغازی الواقدی" کے نام سے 'کتاب المغازی' کی ایک تلخیص تیار کی تھی، جس کا قلمی نسخہ قاہرہ کے بعض کتب خانوں میں محفوظ ہے۔[۱۰۵]

(۲) کتاب اخبار مکۃ:

فواد سزگین کی اطلاع کے مطابق الازرقی (ف نواح ۲۵۰ھ) نے اپنی کتاب "اخبار مکہ" میں اس سے بہ کثرت استفادہ کیا ہے۔[۱۰۶]

(۳) "کتاب الطبقات"

مارسڈن جونس کا خیال ہے کہ ابن سعد کی "الطبقات" کا بنیادی ماخذ واقدی کی یہی 'کتاب الطبقات' ہے اور یہ تقریباً پوری کی پوری ابن سعد کی کتاب میں ضم ہوگئی ہے۔ راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ ابن عبدالبر کے عہد تک یہ کتاب موجود تھی۔ چنانچہ انھوں نے "الاستیعاب" کے مآخذ میں اس کا بھی شمار کرایا ہے۔ لکھتے ہیں:

"فأما 'كتاب الطبقات'، له فقرأته على احمد بن قاسم التاهرتي عن محمد بن معاوية القرشي عن ابراهيم بن موسى بن جميل عن محمد بن سعد كاتب الواقدي عن الواقدي."[۱۰۷]

(۴و۵) "فتوح الشام" اور "فتوح العراق"

ابن جریر الطبری (ف ۳۱۰ھ) احمد بن یحییٰ بلاذری (ف ۲۷۹ھ) اور حافظ ابن کثیر (ف ۷۷۴ھ) کے یہاں شام و عراق کی فتوحات کے بیان میں واقدی کی مرویات جا بہ جا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

منقول ہیں۔ گمان غالب یہ ہے کہ یہ اصل کتاب کا جزو ہوں گی۔

(۶) "کتاب مقتل الحسین"

فواد سزگین کے مطابق حافظ ابن حجر نے "الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ" (۷۰۹/۲) میں اس سے استفادہ کیا ہے[۱۰۸] خود حافظ ابن حجر "تہذیب التہذیب" میں لکھتے ہیں:

"وساق المزی قصۃ مقتل الحسین مطولۃ من عند ابن سعد عن الواقدی"[۱۰۹]

اس بیان کی روشنی میں یہ کہنا ممکن ہے کہ ابن سعد کی "الطبقات" اور یوسف بن عبدالرحمٰن المزی (ف ۷۴۲ھ) کی 'تہذیب الکمال فی اسماء الرجال' کی مدد سے' موضوعِ زیرِ بحث سے متعلق واقدی کی روایات کا ایک حد تک اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ گمان غالب ہے کہ یہ روایات واقدی کی اصل کتاب میں بھی موجود رہی ہوں گی۔

(۷) "کتاب الردۃ والدار":

مارسڈن جونس کی رائے ہے کہ اس کتاب کے نام میں "الدار" کا اضافہ بہ ظاہر بے جوڑ معلوم ہوتا ہے۔ شاید یہ دو الگ الگ کتابیں ہیں۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ عبد الرحمٰن السہیلی (ف ۵۸۱ھ) نے "الروض الأنف" میں، ابن خیر الاشبیلی (ف ۵۷۵ھ) نے اپنی فہرست میں، یافعی (ف ۷۶۸ھ) نے مرآۃ الجنان" میں اور حاجی خلیفہ (ف ۱۰۶۷ھ) نے "کشف الظنون" میں اسے صرف "کتاب الردۃ" کہا ہے[۱۱۰]

بروکلمان نے خدا بخش لائبریری، پٹنہ کی فہرست مخطوطات کے پیش نظر یہ رائے قائم کی تھی کہ کتب خانۂ مذکور میں واقدی کی 'کتاب الردۃ' محفوظ ہے[۱۱۱] لیکن مولانا سعید احمد اکبر آبادی[۱۱۲] اور مارسڈن جونس[۱۱۳] دونوں کی تحقیق ہے کہ یہ واقدی کی اصل کتاب نہیں۔ البتہ اس میں ابن اسحاق وغیرہ کی طرح واقدی کی روایات بھی موجود ہیں۔ مولانا اکبر آبادی کا قیاس ہے کہ یہ ابن الاعثم (ف نواح ۳۱۴ھ) کی "کتاب الفتوح" ہے[۱۱۴]

فواد سزگین کی اطلاع کے مطابق ابن حجر کی "الاصابہ" اور ابن حُبیش الاندلسی (ف ۵۰۴ھ) کی 'المغازی' میں واقدی کی 'کتاب الردۃ' کے اقتباسات موجود ہیں[۱۱۵] مارسڈن جونس نے اس سلسلے میں 'طبقات ابن سعد' اور 'تاریخ طبری' کے نام بھی لیے ہیں[۱۱۶]

(۸) کتاب ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم

ابن سعد کی 'الطبقات' کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے اس کتاب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی بیشتر مرویات اپنی کتاب میں لے لی ہیں، چنانچہ ازواج مطہرات سے متعلق واقدی کی تمام روایات اگر "الطبقات" سے نکال کر ایک ترتیب سے جمع کردی جائیں تو بہ آسانی "کتاب ازواج النبی" کی بازیافت ہوسکتی ہے۔

(۹) "کتاب صفین"

فواد سزگین کے مطابق ابن ابی الحدید (ف ۶۵۵ھ) کی "شرح نہج البلاغۃ" میں اس کتاب کے نصف درجن سے زائد اقتباسات موجود ہیں[۱۱۶]

(۱۰) کتاب الاختلافات

ابن ندیم کی اطلاع کے مطابق اس کی ترتیب فقہی کتابوں کی ترتیب کے مطابق تھی اور اس میں فقہائے مدینہ و کوفہ کے فقہی اختلافات پر روشنی ڈالی گئی تھی[۱۱۷]

واقدی کی بعض تصانیف وہ بھی ہیں، جن کے نام ابن ندیم کے یہاں مذکور نہیں، لیکن بعض دوسرے مآخذ سے ان کا سراغ ملتا ہے۔ ذیل میں اس کی تفصیل ملاحظہ ہو:

(۱) کتاب طعم النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اس کا ذکر ابن سعد نے "الطبقات" میں کیا ہے اور ہمارے اندازے کے مطابق انھوں نے اس سے جا بجا استفادہ بھی کیا ہے۔ ملاحظہ ہو "الطبقات" ۲۷/۸، ۳۶/۸، ۴۸/۸، ۶۹/۸، ۸۶/۸، ۹۶/۸، ۱۰۰/۸، ۱۰۷/۸، ۱۱۹/۸، ۱۲۷/۸، ۱۳۰/۸

فواد سزگین نے احتمال ظاہر کیا ہے کہ شاید یہ کتاب واقدی کی "کتاب المراعی" کا کوئی حصہ ہو۔[۱۱۹]

(۲) کتاب الصوائف

بروکلمان[۱۲۰] اور فواد سزگین[۱۲۱] نے لکھا ہے کہ ابن عساکر (ف ۵۷۱ھ) کی "تاریخ مدینہ دمشق" (۸۵/۱) میں اس کا ایک اقتباس موجود ہے۔

(۳) کتاب تفسیر القرآن

بروکلمان کے مطابق، اس کا ایک قلمی نسخہ برٹش میوزیم، لندن میں موجود ہے۔[۱۲۲] اور بہ قول فواد سزگین احمد بن محمد ثعلبی (ف ۴۲۷ھ) نے "الکشف والبیان" میں اس سے استفادہ کیا ہے[۱۲۳]

(۴) کتاب الشوریٰ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فواد سزگین کے مطابق ابن ابی الحدید کی 'شرح نہج البلاغۃ' (۹/۱۵-۱۶) میں اس کا ایک اقتباس موجود ہے[۱۲۴]

(۵) "کتاب اخبار فتوح بلد السند"

مولانا قاضی اطہر مبارک پوری کی اطلاع کے مطابق خاص ہندوستان کی فتوحات پر یہ پہلی کتاب ہے۔ اس کا تذکرہ قاضی رشید بن زبیر نے "الذخائر والتحف" میں کیا ہے اور اس کے حوالے سے ایک واقعہ بھی نقل کیا ہے۔ مولانا مبارک پوری کا خیال ہے کہ یہ کتاب پانچویں صدی ہجری تک پائی جاتی تھی[۱۲۵]

(۶) "کتاب الحرۃ"

علی بن احمد السمہودی (ف ۹۱۱ھ) کی "وفاء الوفا باخبار دار المصطفیٰ" میں اس کے متعدد حوالے یا اقتباسات موجود ہیں۔ ملاحظہ ہو ۱/۱۲۷، ۱/۱۲۹، ۱/۱۳۰، ۱/۱۳۱، ۱/۱۳۲[۱۲۶]

واقدی کی بعض تصانیف ایسی بھی ہیں، جو درحقیقت ان کی تصنیف نہیں ہیں لیکن ان کی شہرت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کے نام سے شائع کر دی گئی ہیں۔ بروکلمان نے اس ضمن میں درج ذیل کتابوں کے نام شمار کرائے ہیں[۱۲۷]

(۱) "فتوح الشام" طبع قاہرہ و بمبئی و کان پور (۲) "فتوح مصر" طبع کلکتہ

(۳) "فتوح آرمینیۃ" طبع جوتنجن (۴) "فتوح البہنسا" طبع قاہرہ

(۵) "فتوح افریقۃ" طبع تیونس (۶) "فتوح العجم والعراق" طبع ہند

(۷) "فتوح الاسلام ببلاد العجم وخراسان" طبع قاہرہ

حواشی

۱۔ العبر فی خبر من غبر، کویت، ۱۹۶۰ء، ۱/۳۵۳ ۲۔ مروج الذہب، پیرس، سنہ ندارد، ۷/۷۳

۳۔ تذکرۃ الحفاظ، احیاء التراث العربی، بیروت (فوٹو ایڈیشن) سنہ ندارد، ۱/۳۴۸؛ المغنی فی الضعفاء احیاء التراث العربی، بیروت، سنہ ندارد، طبع اول ۱۹۷۱ء، ۲/۲۱۹؛ میزان الاعتدال، تحقیق علی محمد البجاوی، عیسی البابی الحلبی، طبع اول، ۱۹۶۳ء، ۳/۶۶۲؛ دول الاسلام، حیدرآباد، دکن، طبع اول ۱۳۳۷ھ؛

۴۔ الجرح والتعدیل سنہ؟ ۵۔ کتاب المغازی، عالم الکتب، بیروت ۱۹۶۶ء، ۱/۱۹، ۱/۲۸۲ ۶۔ الانساب، طبع اول، حیدرآباد، دکن، ۱۹۸۲ء، ۱۳/۲۷۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۷ے وفیات الاعیان، دارالثقافۃ، بیروت، تحقیق احسان عباس، ۱۹۷۲ء، ۳/ ۳۴۸

۸ے الاغانی، سنہ ومطبع ندارد، ۷/ ۱۸۸ — ۱۸۹۔

۹ے تاریخ بغداد، دارالکتاب العربی، بیروت، سنہ ندارد، ۳/ ۴

۱۰ے وفیات الاعیان، ۳/ ۳۴۸ ۱۱ے مروج الذہب، ۷/ ۴۳

۱۲ے یہ روایت ابن سعد نے خود واقدی سے نقل کی ہے۔ الطبقات الکبریٰ، دارصادر، بیروت سنہ ندارد تحقیق احسان عباس، ۵/ ۴۳۲

۱۳ے کتاب المغازی، ۱/ ۲۸۹ ۱۴ے تاریخ بغداد، ۳/ ۳

۱۵ے تہذیب التہذیب، طبع اول، حیدر آباد دکن، (فوٹو ایڈیشن) ۹/ ۳۶۳

۱۶ے تاریخ بغداد، ۳/ ۴ ۱۷ے کتاب المغازی، ۱/ ۹۹ - ۱۰۰

۱۸ے تاریخ بغداد، ۳/ ۶ ۱۹ے ایضاً

۲۰ے ابن سعد کے یہاں سنہ مذکور نہیں۔ اس کی تعیین قرائن کی مدد سے طبری اور ابن کثیر کے حوالے سے کی گئی ہے۔ ۲۱ے الطبقات، ۵/ ۴۲ ۲۲ے ایضاً

۲۳ے اس واقعے کے راوی بھی خود واقدی ہیں۔ تاریخ بغداد، ۳/ ۴

۲۴ے الطبقات، ۵/ ۴۲۵ - ۴۳۲ ۲۵ے تاریخ بغداد، ۳/ ۴

۲۶ے الطبقات، ۵/ ۴۲۵ ۲۷ے المعارف، ص ۲۲۶

۲۸ے تاریخ بغداد، ۳/ ۱۹ ۲۹ے معجم الادباء، تحقیق، درس۔ مرجلیوث، طبع اول، مصر، ۷/ ۵۷

۳۰ے وفیات الاعیان، ۳/ ۳۴۹ ۳۱ے معجم الادباء، ۷/ ۵۶ ۳۲ے وفیات الاعیان، ۳/ ۳۵۱

۳۳ے "عسکر المہدی" کے سلسلے میں نثار احمد فاروقی بھی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ انھوں نے "سیرت نبوی کی ابتدائی کتابیں اور ان کے مولفین" میں اس کا ترجمہ "مہدی کے لشکر" سے کیا ہے، جو صریحاً غلط ہے۔

۳۴ے تہذیب التہذیب، ۹/ ۳۶۴ ۳۵ے المغازی الاولیٰ ومولفوہا، ص ۱۱۳

۳۶ے سیرت نبوی کی ابتدائی کتابیں اور ان کے مولفین، ص ۱۶۵

۳۷ے تاریخ بغداد، ۳/ ۱۸ ۳۸ے عیون الاثر، قاہرہ، ۱/ ۲۱

۳۹ے تاریخ جرجان، ص ۱۲۵ ۴۰ے ایضاً ص ۱۶۵ ۴۱ے الطبقات، ۵/ ۴

۴۲ے یہ واقعہ بعض جزوی اختلافات کے ساتھ مروج الذہب (۷/ ۴۷) تاریخ بغداد (۲/ ۱۹ - ۲۰) معجم الادباء (۵/ ۵۶) مرآۃ الجنان (۲/ ۳۷) اور شذرات الذہب (۲/ ۱۸) میں بھی منقول ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۴۲ المامون، دارالمصنفین، اعظم گڑھ، صـ۱۸۶ - ۱۸۷

۴۳ مولانا شبلی نے یہ روایت ابن خلکان کے حوالے سے نقل کی ہے۔ یہ وفیات الاعیان ۳۴۹/۴ کے علاوہ تاریخ بغداد (۱۹/۳) معجم الادبار (۵۷/۷) اور مرآۃ الجنان (۳۷/۲) میں بھی موجود ہے۔

۴۵ الطبقات، ۳۲/۵، ۴۳؛ التاریخ الکبیر للبخاری، ۱۷۸/۱؛ المعارف لابن قتیبہ صـ۲۲۶؛ الفہرست صـ۱۴۴؛ تاریخ بغداد، ۲۰/۳؛ الانساب، ۲۷۲/۱۳؛ معجم الادبار، ۵۵/۷ — ۵۸؛ تاریخ ابی الفدار، طبع اول، مطبعۃ حسینیہ، مصر، ۲۸/۲؛ العبر فی خبر من غبر، ۳۵۳/۱؛ دول الاسلام، ۹۹/۱؛ تذکرۃ الحفاظ ۳۴۸/۱؛ الکاشف للذہبی، ۸۲/۳؛ مرآۃ الجنان، ۳۶/۲؛ البدایۃ والنہایۃ ۲۶۱/۱۰؛

۴۶ تاریخ بغداد، ۲۰/۳ ۴۷ مروج الذہب، ۷۳/۷ ۴۸ تاریخ بغداد، ۲۱/۳

۴۹ وفیات الاعیان، ۳۵۰/۴ ۵۰ ایضاً ۵۱ تاریخ بغداد، ۳/۳ - ۲۱

۵۲ الفہرست صـ۱۴۴ ۵۳ معجم الادبا، ۵۵/۷ - ۵۸ ۵۴ وفیات الاعیان ۳۵۰/۴

۵۵ الطبقات ۳۴۳/۵ ۵۶ بحوالۂ گزشتہ ۵۷ بحوالۂ گزشتہ

۵۸ و ۵۹ و ۶۰ ہر سہ بحوالۂ گزشتہ ۶۱ بحوالۂ گزشتہ ۶۲ تاریخ بغداد، ۲۰/۳

۶۳ الفہرست صـ۱۴۴ ۶۴ اس اجمال کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، ڈاکٹر مارسڈن جونس (MORSDEN JONES) کا تحریر کردہ مقدمہ کتاب المغازی، ۱۶/۱ — ۱۸

۶۵ تاریخ بغداد، ۱۹۶/۳ - ۱۹۷ ۶۶ الانساب، ۲۷۲/۱۳ ۶۷ تاریخ بغداد، ۱۳/۳

۶۸ تہذیب التہذیب، ۲۲۴/۹ ۶۹ تاریخ بغداد، ۵/۳ ۷۰ العبر فی خبر من غبر، ۳۵۳/۱

۷۱ معجم الادبار، ۵۵/۷ ۷۲ عیون الاثر، ۲۰/۱ ۷۳ وفیات الاعیان ۳۴۸/۳

۷۴ تاریخ بغداد، ۹/۳ ۷۵ ایضاً ۱۱/۳ ۷۶ تہذیب التہذیب، ۳۶۳/۹

۷۷ تاریخ بغداد، ۹/۳ ۷۸ ایضاً ۷۹ تذکرۃ الحفاظ، ۳۴۸/۱

۸۰ تاریخ بغداد، ۱۱/۳ ۸۱ ایضاً ۸۲ ایضاً ۸۳ ایضاً ۸۴ ایضاً ۵/۳

۸۵ الاعلام، طبع پنجم، ۱۹۸۰ء، ۳۱۱/۶ ۸۶ تاریخ بغداد ۱۰/۳

۸۷ الطبقات، ۳۳/۵، ۴۳ ۸۸ الفہرست، صـ۱۴۴ ۸۹ تاریخ ابی الفدار، ۲۸/۲

۹۰ مروج الذہب، ۷۳/۷ ۹۱ البدایۃ والنہایۃ ۲۶۱/۱۰ھ ۹۲ تذکرۃ الحفاظ ۳۴۸/۱

۹۳ میزان الاعتدال ۶۶۳/۳ ۹۴ معجم الادبار، ۵۵/۷

۹۵ المستدرک للحاکم، طبع اول، حیدرآباد، دکن، ۵۶/۴ ۹۶ عیون الاثر، ۷/۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۹۷ ضحی الاسلام، طبع سوم، قاہرہ، لجنۃ التالیف والترجمۃ والنشر ۱۹۴۳ء، ۲/ ۳۲۴

۹۸ ایضاً، ۲/ ۲۳۷ ۹۹ تاریخ بغداد، ۳/ ۲

۱۰۰ الفہرست، ص ۱۴۴ - ۱۴۵ ۱۰۱ مقدمہ، کتاب المغازی، ۱/ ۱۳

۱۰۲ بحوالہ "تاریخ الردۃ" منتخبہ خورشید احمد فارق، ایشیا پبلشنگ ہاؤس، بمبئی، مقدمہ، ص ۵-۶

۱۰۳ "الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب" برحاشیہ "الاصابۃ فی تمیز الصحابہ" ۱۰/ ۱۱

۱۰۴ تاریخ الادب العربی، کارل بروکلمان، ترجمہ ڈاکٹر عبدالحلیم النجار، طبع چہارم دار المعارف، مصر، سنہ ندارد، ۳/ ۱۷ ۱۰۵ ایضاً ۱۰۶ تاریخ التراث العربی، فواد سزگین، ترجمہ ڈاکٹر محمود فہمی حجازی، ڈاکٹر فہمی ابو الفضل، طبع مصر ۱۹۷۷ء، ۱/ ۴۷۵

۱۰۷ "الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب" برحاشیہ "الاصابۃ" ۱/ ۱۱

۱۰۸ تاریخ التراث العربی ۱/ ۴۷۰ - ۴۷۵ ۱۰۹ تہذیب التہذیب، ۲/ ۳۵۶

۱۱۰ مقدمہ کتاب المغازی، ۱/ ۱۴ - ۱۵ ۱۱۱ تاریخ الادب العربی، ۳/ ۱۷

۱۱۲ صدیق اکبر، طبع سوم، ندوۃ المصنفین، دہلی، ۱۹۷۶ء، ص ۱۳

۱۱۳ مقدمہ کتاب المغازی، ۱/ ۱۵ ۱۱۴ صدیق اکبر، ص ۱۳

۱۱۵ تاریخ التراث، ۱/ ۴۷۰ - ۴۷۵ ۱۱۶ مقدمہ کتاب المغازی ۱/ ۱۵

۱۱۷ تاریخ التراث العربی، ۱/ ۴۷۰ - ۴۷۵ ۱۱۸ الفہرست، ص ۱۴۴ - ۱۴۵

۱۱۹ تاریخ التراث العربی، ۱/ ۴۷۰ - ۴۷۵ ۱۲۰ تاریخ الادب العربی، ۳/ ۱۷

۱۲۱ تاریخ التراث العربی، ۱/ ۴۷۰ - ۴۷۵ ۱۲۲ تاریخ الادب العربی، ۳/ ۱۷

۱۲۳ تاریخ التراث العربی، ۱/ ۴۷۰ - ۴۷۵ ۱۲۴ ایضاً

۱۲۵ "اسلامی ہند کی عظمتِ رفتہ" مولانا قاضی اطہر مبارک پوری، طبع اول، ندوۃ المصنفین، ۱۹۶۹ء، ص ۱۶

۱۲۶ "وفاء الوفاء" تحقیق محمد محی الدین عبد الحمید، احیاء التراث العربی، بیروت، سنہ ندارد

۱۲۷ تاریخ الادب العربی، ۳/ ۱۷ - ۱۹

© rasailojaraid.com